روشنی اور اندھیرے کا طبعی نظام
اور سورۃ الفلق کی تفسیر

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۵/اکتوبر ۱۹۸۲ء بمقام مسجد اقصیٰ ربوہ)

تشہد و تعوذ اور سورۂ فاتحہ کے بعد حضور نے سورۃ الفلق پڑھی۔

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ۙ﴿۲﴾ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ۙ﴿۳﴾ وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ ۙ﴿۴﴾ وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِي الْعُقَدِ ۙ﴿۵﴾ وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ ﴿۶﴾

اور پھر فرمایا:

قرآن کا یہ بہت ہی پیارا اسلوب ہے کہ دعاؤں کے رنگ میں انسان کی تربیت فرماتا ہے۔ دعاؤں سے جو فائدہ انسان کو پہنچتا ہے وہ اپنی جگہ ہے۔ اس کے علاوہ ان دعاؤں میں بڑے گہرے مضامین ایسے ہیں جو انسان کی تربیت سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس کے ذہن اور اس کے قلب، اس کی فکر اور اس کے جذبات کو توازن بخشتے ہیں، اور وہ غلطیاں جن میں انسان بسا اوقات مختلف جذبات اور مختلف مواقع پر مبتلا ہو جایا کرتا ہے ان غلطیوں کی نشاندہی کرتے ہیں اور ان ٹھوکروں سے بچاتے ہیں۔

سورۂ فلق کی یہ آیات جو میں نے تلاوت کی ہیں ان میں بھی ایک ویسی ہی بہت پیاری دعا

سکھائی گئی اور انسان کو ایک ایسے مضمون سے آگاہ کیا گیا کہ اگر وہ اس سے باخبر رہے تو ترقیات اور فضلوں اور رحمتوں کے وقت بے خوف نہ ہو اور دنیا کی نظر میں جتنے خوف ہیں ان خوفوں کے وقت مایوس نہ ہو۔ گویا ہر حالت میں انسان کو اعتدال کا سبق سکھایا گیا ہے۔

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ۙ﴿۲﴾ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ۙ﴿۳﴾

فلق کہتے ہیں بیج کے پھوٹنے کو اور گٹھلیوں کے پھٹ کر ایک نئی کونپل پیدا کرنے کو، اور رات کے صبح میں تبدیل ہونے کو۔ اور اس کے علاوہ اس کے برعکس معانی بھی فلق کے ساتھ وابستہ ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰى ؕ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَ مُخْرِجُ الْمَيِّتِ مِنَ الْحَيِّ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ﴿۹۶﴾
(الانعام: ۹۶)

دیکھو! اِنَّ اللّٰهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰى ؕ اللہ بیجوں اور گٹھلیوں کو پھاڑ کر نئی زندگی پیدا کرنے والا خدا ہے يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ اسی طرح وہ مردوں سے زندگی نکالتا ہے۔ لیکن اس حالت سے بے خبر نہ رہنا کہ یہی مضمون برعکس صورت میں بھی ظاہر ہوتا ہے وَ مُخْرِجُ الْمَيِّتِ مِنَ الْحَيِّ ؕ اور زندگی سے موت بھی نکلتی رہتی ہے۔ زندوں سے مردہ بھی پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ اور زندگی میں بھی تبدیلی ہوتی رہتی ہے۔

چونکہ فلق کے دونوں پہلو سامنے ہیں اس لئے جب بھی انسان کے لئے ترقیات کی نئی راہیں کھلیں، نئی صبحیں نمودار ہوں، انسانی کوششوں اور محنتوں کا ثمرہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہو اور وہ کوششیں پھوٹ کر کونپلوں میں تبدیل ہو رہی ہوں، تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس میں فخر کا کوئی مقام نہیں، بے فکر ہونے کی کوئی بات نہیں، ایسے جشن منانے کی کوئی ضرورت نہیں جو سطحی اور دنیا کے جشن ہوں، کیونکہ حقیقت میں ہر زندگی کے ساتھ ایک موت بھی لگی ہوئی ہوتی ہے۔ ہر روشنی کے ساتھ کچھ اندھیرے بھی وابستہ ہوتے ہیں۔ ایسے موقع پر اپنے رب کے حضور جھکنا چاہئے جو خالق ہے، جس نے خیر و شر کا یہ نظام پیدا فرمایا ہے، اور اس سے یہ عرض کرنی چاہئے کہ اے اللہ! ہمیں اس زندگی کے نئے دور میں اس طرح داخل فرما کہ اس کے ہر شر سے محفوظ رکھنا اور ہر خیر اور برکت ہمارے پلے میں

ڈال دینا۔

یہ ہے وہ مضمون جس کو بھلانے کے نتیجہ میں فتوحات کے وقت فخر پیدا ہو جاتے ہیں، ادنیٰ ادنیٰ نعمتوں کے حصول کے وقت انسان اپنی عاقبت سے بے نیاز اور بے فکر ہو جاتا ہے، زندگی کے ایک پہلو کو حاصل کر کے زندگی کے دوسرے پہلو سے آنکھیں بند کر لیتا ہے۔ نعمت کے طور پر اسے تھوڑی سی چیز ملے تو اس نعمت کے نتیجہ میں وہ خود مالک بن بیٹھتا ہے اور خدا سے غافل ہو جاتا ہے۔ نتیجۃً اس شر سے بے پرواہ ہو جاتا ہے جو نعمت کے ساتھ ملحق ہوتا ہے۔ اگر نعمت کا صحیح استعمال ہو تو انسان شر سے بچ جاتا ہے، اگر غلط استعمال ہو تو شر اس کے بعد لازماً اس کے تعاقب میں آتا ہے۔ چنانچہ یہی وہ مضمون ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے ایک اور رنگ میں یوں بیان فرمایا ہے۔

وَاِذَآ اَنۡعَمۡنَا عَلَى الۡاِنۡسَانِ اَعۡرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ‌ۚ وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ كَانَ يَـــُٔوۡسًا ﴿۸۴﴾ (بنی اسرائیل: ۸۴)

کہ ایسے تھڑ دلے لوگ ہوتے ہیں جو زندگی کے دونوں پہلوؤں سے واقف نہیں ہوتے، جو خدا تعالیٰ کی کائنات کے رازوں سے بے پرواہ ہو جاتے ہیں، جب ہم ان کو نعمت عطا فرماتے ہیں، اَعۡرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ، اس کا ایک پہلو تو یہ ہے کہ وہ نعمت لینے سے انکار کر دیتے ہیں۔ اس مضمون پر پہلے میں ایک خطبہ میں روشنی ڈال چکا ہوں۔ ایک اور پہلو یہ ہے کہ ہم نعمت عطا کرتے ہیں اور وہ اَعۡرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ وہ انسان خود پرستی میں مبتلا ہو جاتا ہے اور دین سے اور شکر کا حق ادا کرنے سے پہلو تہی کرتا ہے۔ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ اور ہر چیز کو اپنی جانب ہی سمیٹ لیتا ہے یعنی پہلو تہی اس رنگ میں گویا میں ہی تھا، سب کچھ میرا ہی ہے اور کسی کا کوئی دخل نہیں۔ یعنی خدا تعالیٰ کی رحمت سے کلیتہً غافل اور اس کے شکر سے کلیتہً غافل ہو جاتا ہے اور وہ نہیں جانتا کہ اس کے بعد شر بھی آنے والا ہے ایسی حالتیں ہمیشہ شر لے کر آتی ہیں۔ نتیجۃً وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ كَانَ يَـــُٔوۡسًا اس وقت بھی اس کی عجیب حالت ہوتی ہے جب اس کو شر پہنچتا ہے تو ایسے شخص میں مقابلہ کی طاقت نہیں ہوتی۔ وہ ایک کیفیت سے مغلوب ہونا جانتا ہے۔ یہ نفسیاتی فلسفہ ہے جو قرآن کریم بیان کر رہا ہے کہ وہ لوگ جو زندگی کے دونوں پہلوؤں پر بیک وقت نظریں نہیں رکھتے وہ ایک پہلو سے مغلوب ہو جاتے ہیں، جس طرح وہ خوشی سے مغلوب ہو جاتے ہیں اس طرح شر سے بھی مغلوب ہو جاتے ہیں۔ اور شر آتا ہے تو

زندگی سے مایوس ہو جاتے ہیں۔ ان کو روشنی کی کوئی کرن نظر نہیں آتی۔ ان چیزوں سے پناہ کی تلقین فرمائی گئی۔ دعا سکھائی گئی۔ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ۙ﴿۲﴾ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ۙ﴿۳﴾ اے خدا! تو جو نئی امیدیں پیدا کرنے والا اور ہمارے لئے ترقی کے نئے راستے کھولنے والا ہے، تو ہماری کوششوں کے بیجوں کو نئے پودوں اور لہلہاتی ہوئی کونپلوں میں تبدیل کرنے والا خدا ہے۔ تو زندگی کے اس عمل کے شر سے ہمیں محفوظ رکھنا کیونکہ ہر پیدائش کے ساتھ کچھ شر بھی لگے ہوتے ہیں۔ اور ہمیں موت سے غافل نہ ہونے دینا۔ کیونکہ جس وقت زندہ چیز موت کے خطروں سے غافل ہو جاتی ہے وہ ہمیشہ انحطاط پذیر ہو جاتی ہے۔ وَ مِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ ﴿۴﴾ اور رات کے خطروں سے بھی بچانا جب وہ چھا جائے۔

غَسَقَ الَّیْلُ کا مطلب ہوتا ہے رات جب اندھیری ہو جائے، جب بھیگ جائے۔ چنانچہ قرآن کریم نے اس مضمون کو دوسری جگہ خود واضح کیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ (بنی اسرائیل: ۷۹)

کہ جب رات گہری ہو جائے اس وقت بھی نماز پڑھا کرو۔ کیونکہ اس وقت خطرات سے بچنے کے لئے دعاؤں کی ضرورت ہوا کرتی ہے۔ یہی مضمون ہے جو اس آیت میں بیان فرمایا وَ مِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ ﴿۴﴾ اس وقت کھڑے ہو جایا کرو عبادت کے لئے اور دعائیں کیا کرو کہ رات کے خطرات سے بھی ہمیں محفوظ رکھنا۔ تو نے ایک صبح امید تو پیدا فرمائی لیکن ہم جانتے ہیں کہ ہر صبح کے ساتھ ایک رات بھی وابستہ ہوا کرتی ہے۔ تُو صبح کے وہ فضل تو لے کر آیا لیکن راتوں کے شر سے بھی ہمیں محفوظ رکھنا۔

فَالِقُ الْاِصْبَاحِ کا یہ وہ مضمون ہے جس کی طرف قرآن کریم نے خود اشارہ کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فَالِقُ الْاِصْبَاحِ ۚ وَجَعَلَ الَّيْلَ سَكَنًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا ؕ (الانعام: ۹۷)

فَالِقُ الْاِصْبَاحِ تو وہ ہے لیکن فلق کے بعد ایک رات بھی آیا کرتی ہے۔ خدا کے مومن بندے جو اس کی طرف جھکنے والے ہیں اور اس کی یاد میں مبتلا رہتے ہیں ان کے لئے وہ رات سکینت

لے کر آتی ہے اور بے چینی اور بے فکری کو دور کرنے والی ہوتی ہے۔ لیکن وہ لوگ جو اس نظام سے غافل ہوتے ہیں اور اللہ کی یاد سے غافل ہو جاتے ہیں وہی رات ان کے لئے شر لے کر بھی آ جاتی ہے، تو فرمایا وَ مِنۡ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ ﴿۴﴾ جب اندھیرے آئیں گے تو ان کے شر سے بھی ہمیں محفوظ رکھنا۔

اندھیروں کے شر کیا ہیں، اس کا بھی ان آیات میں ذکر ہے۔ اور اندھیرے کس کس قسم کے آتے ہیں، ان کا بھی ان آیات میں ذکر ہے۔ ایک اندھیرے تو وہ ہیں جو روشنی کے نتیجہ میں ایک ردعمل کے طور پر پیدا ہوتے ہیں۔ ایک اندھیرے وہ ہیں جو قانون قدرت کے مطابق دن اور رات کے ادلنے بدلنے کے نتیجہ میں پیدا ہوتے ہیں جو تِلۡکَ الۡاَیَّامُ نُدَاوِلُہَا بَیۡنَ النَّاسِ ۚ (آل عمران: ۱۴۱) کا مضمون لے کر آتے ہیں۔ یعنی خدا کی طرف سے ترقیات تو عطا ہوتی ہیں لیکن جو قومیں ان ترقیات کا شکر ادا نہیں کرتیں وہی دن ان کے لئے راتوں میں تبدیل ہو جایا کرتے ہیں۔ اور قوموں کی تاریخ کا خلاصہ یہی ہے کہ کبھی وہ عروج حاصل کر رہی ہیں کبھی زوال پذیر ہو رہی ہیں۔ لیکن دنیا میں تو یہ ایک طبعی نظام کے طور پر ہمیں ملتا ہے کہ لازماً روشنی کے بعد اندھیرے میں آنا ہے۔ مگر قرآن کریم کہتا ہے کہ وہ روشنیاں جو ہم مذہبی قوموں کو عطا کیا کرتے ہیں ان کے بعد اندھیرا لازم نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے اور یہ ایک حد تک تمہارے اپنے اختیار میں ہے کہ ان روشنیوں کا زمانہ لمبا کر لو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوۡمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوۡا مَا بِاَنۡفُسِہِمۡ ؕ
وَ اِذَاۤ اَرَادَ اللّٰہُ بِقَوۡمٍ سُوۡٓءًا فَلَا مَرَدَّ لَہٗ ۚ (الرعد: ۱۲)

کہ خدا تعالیٰ نے ایک تقدیر بنا دی ہے۔ یہ مبرم تقدیر ہے جو ٹل نہیں سکتی۔ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوۡمٍ جو نعمتیں کسی قوم کو عطا فرماتا ہے ان کو پھر تبدیل نہیں کیا کرتا۔ حَتّٰی یُغَیِّرُوۡا مَا بِاَنۡفُسِہِمۡ یہاں تک کہ وہ خود تبدیل ہونے لگتے ہیں۔ خود بلانے لگتے ہیں تباہی کو اور ہلاکت کو اور تنزل کو۔ اس وقت خدا کی ایک اور تقدیر ظاہر ہوتی ہے اور ان کے اعمال کا نتیجہ ان کے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔ فرماتا ہے وَ اِذَاۤ اَرَادَ اللّٰہُ بِقَوۡمٍ سُوۡٓءًا فَلَا مَرَدَّ لَہٗ پھر جب اللہ یہ فیصلہ کر لیتا ہے کہ اس قوم کو برائی میں مبتلاء کیا جائے گا۔ لَا مَرَدَّ لَہٗ اس فیصلہ کو کوئی ٹال نہیں سکتا۔ یہ بھی

اندھیرے ہوتے ہیں جو خدا کی عطا کردہ روشنیوں کے بعد آتے ہیں۔لیکن ان اندھیروں میں بندوں کا دخل ہے۔ وہ کوئی ایسا نظام نہیں ہے جو ٹالا نہیں جا سکتا۔اس کے برعکس کچھ ایسے اندھیرے ہیں جو روشنیوں کے نتیجہ میں از خود پیدا ہو جاتے ہیں۔ ان کا بھی قرآن کریم میں بلکہ اسی آیت میں ذکر ہے۔ وہ اندھیرے ہیں ترقی کے نتیجہ میں حسد کی پیداوار۔اور وہ اندھیرے مومن کی خوشی کی تقریب کے ساتھ ساتھ لازماً چلتے ہیں۔وہ خدا کی طرف سے عائد کردہ اندھیرے نہیں ہیں بلکہ خدا کے دشمنوں کی طرف سے عائد کردہ اندھیرے ہیں ۔ چنانچہ فرمایا وَ مِنۡ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ ۙ﴿۴﴾ وَ مِنۡ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِی الۡعُقَدِ ۙ﴿۵﴾ کہ ان اندھیروں سے مراد یہ ہے کہ جب تم خدا تعالیٰ سے دعائیں کرتے ہوئے آگے بڑھو گے اور اس کی تبدیلیوں کے نظام میں ہر خیر سے کوئی برکت پانے لگو گے لیکن ہر شر سے محفوظ رہو گے تو اس کے نتیجہ میں دشمن پر کچھ اندھیرے طاری ہو جائیں گے اور ان اندھیروں کے نتیجہ میں وہ تم پر بھی اندھیرے طاری کرنے کی کوشش کریں گے۔وَ مِنۡ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِی الۡعُقَدِ ۙ﴿۵﴾ تمہارے جو تعلقات قائم ہوں گے، تمہارے جو روابط پیدا ہوں گے، دنیا میں تم ہر دلعزیز ہو گے، نئی نئی قوموں سے تمہارے واسطے پیدا ہوں گے، ایسے تمام مواقع پر اللہ تعالیٰ مطلع فرماتا ہے کہ کچھ ایسے بھی پیدا ہوں گے جو ان تعلقات کو توڑنے کے لئے ان میں زہر گھولنے کے لئے پھونکیں ماریں گے نَفّٰثٰتِ کہتے ہیں پھونکنے والیوں کو۔یعنی جادو ٹونا کرنے والیوں کو بھی نَفّٰثٰتِ کہا جاتا ہے۔لیکن نَـفَـثَ کا اصل مضمون سانپ سے تعلق رکھتا ہے۔ چنانچہ اسی مضمون سے آگے پھر جادو ٹونے کا مضمون مستعار لیا گیا۔ افعی یعنی سانپ جب زہر گھولتا ہے، کس گھولتا ہے تو اس کو عربی میں نَفَثَ کہتے ہیں۔(اقرب الموارد زیر لفظ نفث) فرمایا ایک طرف تو اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور نعمتیں ہیں جو تمہارے لئے زندگی کا انتظام کر رہی ہوں گی۔ دوسری طرف موت تھوکنے والے بھی پیدا ہو جائیں گے جو تمہارے تعلقات کی گانٹھوں میں موت پڑھ پڑھ کر پھونکیں گے یا موت کا زہر گھولنے کی کوشش کریں گے۔اللہ تعالیٰ متنبہ فرماتا ہے کہ یہ خطرات وابستہ ہیں۔ یہ وہ خطرات ہیں جو تمہارے مقدر میں ہیں ان کو کوئی ٹال نہیں سکتا۔ ہاں اگر تم دعائیں کرو گے تو ان خطرات کے وقت ان کے شر سے محفوظ رہو گے۔یعنی یہ رات تو ایسی ہے جو ٹل نہیں سکتی۔ لازماً آنی ہے۔ اندھیروں کی یہ پیداوار کہ سانپ بچھو نکل آئیں اور ڈسنے لگیں ، چور ڈاکو اور اچکے پیدا ہو جائیں، یہ تو ایک ایسی قدرت خداوندی ہے جس کو کوئی بدل نہیں سکتا۔فرمایا ہاں ایک

چیز ہے جو ہمارے بس میں ہے۔ یہ سانپ تھوکتے رہیں گے تمہاری گانٹھوں پر۔ اللہ ان کے شر سے تمہیں محفوظ رکھتا چلا جائے گا۔ یہ وہ تقدیر ہے جس کو حاصل کرنے کے لئے تم دعائیں کرو۔

پھر فرماتا ہے وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ۞ اگر کوئی ان تمام احتیاطوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے فضلوں اور رحمتوں کے راستہ پر آگے بڑھتا چلا جائے تو خدا تعالیٰ اپنے فضل اتنے بڑھائے گا اور شر سے اس طرح محفوظ رکھتا چلا جائے گا کہ ہر قدم حصول خیر و برکت کا قدم تو ہوگا۔ ٹھوکر اور تنزل کا قدم نہیں ہوگا۔ جب تم اس مقام پر پہنچو گے تو ایک اور قسم کا اندھیرا ابھی تمہاری راہ میں منتظر ہوگا اور وہ حاسد کا حسد ہے۔

نَفّٰثٰتِ فِي الْعُقَدِ کے بعد حاسد کے حسد کا مضمون رکھا گیا۔ یہ کیوں ہے؟ بظاہر انسان یہ سمجھتا ہے کہ حاسد کے حسد کے نتیجہ میں ہی تو وہ پھونکیں ماری جائیں گی۔ لیکن امر واقعہ یہ ہے کہ یہاں ایک اور مضمون بیان ہو رہا ہے۔ مراد یہ ہے کہ دشمنوں پر دو دور آتے ہیں۔ ایک نفرت اور حقارت کا وہ دور جب کہ وہ خدا تعالیٰ کے قافلوں کی راہ میں حائل ہونے کی اور ان کے تعلقات میں زہر گھولنے کی پوری کوشش کرتے ہیں لیکن وہ ناکام کر دیئے جاتے ہیں۔ جب وہ قافلہ ان کوششوں کے باوجود آگے بڑھ جاتا ہے اور ترقی کی نئی نئی منازل طے کرتا چلا جاتا ہے تو اس وقت حاسدوں کے حسد کی نظریں پڑتی ہیں اور وہ کچھ نہیں کر سکتیں۔ ایک بے اختیاری کا عالم ہے، غیظ و غضب کا عالم ہے لیکن بس کوئی نہیں ہوتا۔ لیکن اس حسد کے نتیجہ میں بھی بعض دفعہ نقصانات پہنچ جاتے ہیں۔ کیا باریک فلسفہ ہے اس حسد کا۔ اس وقت اس کی تفصیل میں جانے کا وقت نہیں ہے۔ لیکن حسد کے نتیجہ میں انسان تاک میں لگا رہتا ہے۔ بعد کے مواقع میں اس کا غصہ بغض میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ ایسے کینہ میں تبدیل ہو جاتا ہے جو اس کی فطرت میں گس گھولنے لگ جاتا ہے بجائے اس کے کہ وہ آپ کے تعلقات میں گس گھولے۔ یعنی اندرونی مضمون ہے جس طرح سانپ کو ڈسنے کا موقع نہیں ملتا اور وہ طیش میں بیٹھا ہو کہ میں نے ضرور ڈسنا ہے تو اہل علم جانتے ہیں کہ جتنی دیر اسکے زہر کی تھیلی کو انتظار میں لگتی ہے اتنا ہی زیادہ زہر اس میں بھرتا چلا جاتا اور خطرناک ہوتا چلا جاتا ہے۔ تم دعائیں کرو گے تو ہم تمہیں محفوظ رکھیں گے۔ تمہیں بالکل پرواہ نہیں کرنی چاہئے۔ جو خدا کے فضل ہیں ان فضلوں کو کوئی تبدیل نہیں کر سکتا۔ صرف تم کر سکتے ہو (یعنی اپنی بداعمالیوں کے ذریعہ) اگر تم نہ بدلو گے تو میں بھی

نہیں بدلوں گا۔تم میرے فضلوں اور رحمتوں کے وارث بنے رہو گے،حق دار بنے رہو گے تو میں فضل بڑھاتا چلا جاؤں گا اور دشمن کے زہر سے تمہیں محفوظ رکھوں گا۔لیکن کچھ افعی ایسے بھی رہ جائیں گے جن کا بس نہیں چلے گا۔وہ ترقیات پر تمہیں گامزن دیکھیں گے تو وہ اپنے اندر گس گھولنے لگیں گے۔ اپنے زہر کو بڑھاتے چلے جائیں گے۔

یہ ہے حسد کا مضمون جس پر جا کر تان ٹوٹی ہے اس سارے مضمون کی،اور یہ ایک مستقل بغض ہے جو پیدا ہوتا چلا جائے گا اور تمہاری ہر ترقی کے نتیجہ میں یہ بغض بڑھتا چلا جائے گا خواہ ان کی کچھ پیش جائے یا نہ جائے۔ایسے حاسد،ایسے کینہ ور انتظار میں لگے رہتے ہیں۔کسی جماعت سے یا کسی فرد سے کبھی غفلت ہو اس وقت ان کا داؤ چلتا ہے اور پھر وہ بڑی قوت کے ساتھ ڈسنے کی کوشش کرتے ہیں۔تو ایک دفعہ بچنے کے بعد ہمیشہ کے لئے غافل نہیں ہو جانا۔یہ نہ سمجھنا کہ آگے موت کسی پہلو سے بھی تمہارا انتظار نہیں کر رہی۔وہ تو تمہاری تاک میں بیٹھی رہے گی اور اس کو انتظار میں جتنی دیر لگے گی اتنا ہی اس کا زہر بڑھتا چلا جائے گا۔اس لئے قیامت تک کے لئے ہر دشمنی کے شر سے محفوظ رکھنے کی دعا سکھا دی گئی۔کتنا عظیم الشان کلام ہے۔کوئی ایک پہلو بھی باقی نہیں چھوڑا جو ترقیات کی راہ پر چلنے والی قوموں کی راہ میں پیش آ سکتا ہے جس کا قرآن کریم نے یہاں ذکر نہ فرمایا ہو۔

سب سے پہلی بات جو بیان فرمائی گئی اس کے نتیجہ میں کچھ ذمہ داریاں بھی ہم پر عائد ہوتی ہیں۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ۙ﴿۲﴾ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ۙ﴿۳﴾

خالق،اللہ ہے۔تم نہیں ہو۔تم سمجھتے ہو کہ تمہاری کوششوں کے نتیجہ میں ایک چیز پیدا ہوئی۔ لیکن یہ جان لو کہ رَبِّ الْفَلَقِ صرف خدا ہے اس کے سوا اور کوئی ذات نہیں۔اگر تم یہ جان لو کہ خدا ہی ہے جو پیدا کرنے والا ہے تو جھوٹے تکبر اور جھوٹے تفاخر تم میں پیدا ہی نہیں ہو سکتے۔انکسار تو پیدا ہو سکتا ہے اس احساس کے بعد کہ ہماری کوششیں نہیں تھیں اللہ کے فضل تھے۔لیکن وہ کھوکھلی اور ہلکی باتیں جو ان رازوں کو نہ سمجھنے والے دلوں میں پیدا ہو جاتی ہیں ہر ماحصل کے بعد،ان کھوکھلی باتوں سے مومن محفوظ رکھا جاتا ہے۔

مجھے اس کا خیال تین دن پہلے اس طرح آیا کہ جب میں سفر یورپ سے واپسی پر یہاں پہنچا

تو لوگوں نے طبعاً خوشی کا اظہار کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ایک خدمت کی توفیق عطا فرمائی تھی۔ اس موقع پر بڑی محبت کا اظہار تھا۔ دلوں سے بے اختیار خلوص کے سوتے اور جذبات کے چشمے پھوٹ رہے تھے۔ کچھ نعرے بن کر، کچھ دعائیں بن کر کچھ ویسے ہی چہروں سے ظاہر ہو رہے تھے۔ پاکستان میں داخل ہونے سے لے کر ربوہ پہنچنے تک یہی منظر دیکھا۔ لیکن بعض نعرے ایسے سنے جن سے مجھے بہت تکلیف پہنچی مثلاً یہ کہا گیا، فاتح سپین، ابھی تو ہم خدمت کے میدان میں پوری طرح داخل ہی نہیں ہوئے۔ اتنی جلدی اتنے بڑے بڑے دعوے کر بیٹھنا اور ان دعوؤں کے شر سے محفوظ رہنے کی دعا نہ کرنا، یہ ایک بہت خطرناک فعل ہے۔ ہر تخلیق نو کے ساتھ جو شر لگے ہوئے ہیں ان میں ایک یہ شر بھی ہے کہ انسان چھوٹی حالت میں بہت بڑے بڑے دعوے کرنے لگ جائے۔ چھوٹی سی بات پر اچھلنے لگ جائے اور اتنا شور مچائے کہ وہ سمجھے کہ میں نے سب کچھ حاصل کر لیا ہے۔ اس کے شر بڑے تفصیلی ہیں جن کی طرف ذہن منتقل ہوا تو آج میں نے خطبہ میں ان آیات کو اپنے خطبہ کا موضوع بنایا۔ یعنی بظاہر تو میں نے شروع ہی میں گویا ساری باتیں بیان کر دیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ قرآن کریم کی آیات لامتناہی مضامین رکھتی ہیں۔ اگر شر کے مضامین پر اور ہر پیدائش کے ساتھ تعلق رکھنے والے شر کے مضمون پر بھی آپ غور کرتے چلے جائیں تو زندگی بھر غور کریں صرف یہ مضمون بھی ختم نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اول تو رَبِّ الْفَلَقِ کے مظاہرات لامتناہی ہیں۔ وہ کس طرح رَبِّ الْفَلَقِ بنتا ہے۔ کن کن موقعوں پر وہ کس شان کے ساتھ رَبِّ الْفَلَقِ بن کر ظاہر ہوتا ہے۔ یہ اتنا حیرت انگیز اور اتنا تفصیلی مضمون ہے کہ انسان اسی میں ڈوب جائے تو ایک نسل نہیں سینکڑوں نسلیں بھی ڈوبی رہیں تب بھی وہ اس مضمون کی اتھاہ کو نہیں پہنچ سکتیں۔ سائنس دان جو اب تک غور کر رہے ہیں خدا کے رَبِّ الْفَلَقِ ہونے پر (اگرچہ باشعور طور پر تو اس طرح غور نہیں کر رہے لیکن حقیقت میں اسی آیت کے غلام بنائے گئے ہیں) ان کی ساری زندگیاں وقف ہیں یہ ثابت کرنے پر کہ عجیب رَبِّ الْفَلَقِ ہے جس کی تخلیق پر ہم غور کر رہے ہیں۔ کس طرح ایک تخلیق نو ہوتی ہے۔ اس مضمون پر لکھوکھہا صفحات لکھے جا چکے ہیں اور آج تک سائنسدان یہ اقرار کرنے پر مجبور ہیں کہ کسی ایک نوع کی تخلیق کے کسی ایک پہلو پر بھی ہم غالب نہیں آسکے۔ اور اس کو ہم نے اپنی لپیٹ میں نہیں لیا۔

چھوٹے سے چھوٹے ذرہ کی تخلیق پر بھی وہ ابھی تک حاوی نہیں ہوئے یعنی انسانی علم اتنا کم

ہے کہ خدا تعالیٰ کے رَبِّ الْفَلَقِ ہونے کے مضمون کے چھوٹے سے چھوٹے ذرہ کے سارے پہلوؤں پر ابھی حاوی نہیں ہو سکا۔

لَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَاءَ (البقرہ:۲۵۶)

کا عظیم الشان اعلان ہے جو ہر انسانی کوشش، ہر انسانی جستجو کے وقت سامنے آتا ہے اور اس کے نتیجہ میں جو شر پیدا ہوتے ہیں یا ہو سکتے ہیں یا آئندہ مستقبل میں پیدا ہوں گے ان کا مضمون بھی اتنا وسیع ہے کہ ہر فلق کے ساتھ ایک یہ مضمون بھی لگا ہوا ہے جو لامتناہی مضمون ہے۔

مسجد سپین کے ساتھ جو صبحیں ہم نے دیکھیں۔ اللہ کے فضل کی صبحیں جو پھوٹی ہیں بلا شبہ ہمارے دل اس سے روشن ہو چکے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہم اس صبح کی نمازیں ادا کریں اور خدا کی حمد کے گیت گائیں اور گاتے چلے جائیں تب بھی یہ ایسا فضل ہے جس کے شکر کا حق ادا نہیں ہو گا۔ لیکن اس کے نتیجہ میں جو بعض شر پیدا ہوتے ہیں ان سے بھی محفوظ رہنے کی دعا ضروری ہے۔ ایک تو صبح سورج طلوع ہونے سے پہلے روشنی ظاہر ہونے پر آپ فجر کی نماز پڑھتے ہیں۔ لیکن ایک وہ نماز ہے جو ہر فلق کے وقت انسان کو پڑھنی چاہئے۔ وہ نماز ذکر الٰہی کی نماز ہے جو انسان کے اندر جذب ہو جاتی ہے۔ یہ نماز اس توجہ کی نماز ہے کہ ہر نیا دور، ہر نئی شان جو خدا نے ظاہر فرمائی ہے جو اس کی رحمت اور فضلوں کا نشان ہے ہمیں اس کے لئے اس کا شکر ادا کرنا چاہئے، اس کی حمد کرنی چاہئے۔ یہ تو ہے خیرِ فلق یعنی فلق کا خیر کا پہلو اور شر کا پہلو یہ ہے کہ انسان اسی کو اپنا سب کچھ سمجھ لے۔ وہ سمجھے کہ ہم نے آخری بازی جیت لی ہے، تمام دنیا فتح ہو گئی ہے کیونکہ ہم نے یہ صبح دیکھ لی، خدا کا یہ فضل دیکھ لیا، اب اس کے بعد گویا کسی اور چیز کی ضرورت ہی نہیں رہی اور اس کے جو خطرات ہیں ان سے وہ غافل ہو جائے۔ اس سوچ میں خطرات ہیں، اس فکر میں خطرات مخفی ہیں جن کی طرف توجہ دلانا مقصود ہے۔ وہ خطرات مثلاً ایک یہ کہ ایک انسان اگر ایک چھوٹی چیز پر راضی ہو جائے اور سمجھے کہ میں نے مقصد کو حاصل کر لیا ہے تو اگلا قدم نہیں اٹھائے گا۔ اس راستے کے جو تقاضے ہیں۔ مثلاً محنت ہے وہ ان کو پورا نہیں کرے گا۔ وہ جذباتی طور پر اظہار کر کے بلند نعرے لگا کر سمجھے گا کہ میری مطلب براری ہو گئی، آج مجھے مزہ آ گیا، سب کچھ حاصل ہو گیا۔ لیکن جو شخص یہ جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل ہیں اور اس کے لامتناہی فضل ہیں، ایک فلق نہیں اس کے قبضہ قدرت میں بے شمار افلاق ہیں، ان تمام فلقوں کا وہ

رب ہے، اس نے آج یہ صبح ہمیں دکھائی ہے تو کل دوسری بھی دکھا سکتا ہے، پرسوں تیسری بھی دکھا سکتا ہے اور ایک نعمت پر راضی ہو کر وہیں بیٹھ رہنے والے نہیں اگر چہ ہم اس نعمت پر راضی ہیں مگر ان معنوں میں نہیں کہ ہم اسی پر بیٹھ رہیں کیونکہ خدا کی نعمتیں لامتناہی ہیں اور اس نے عطا کی ہیں۔ ہمارا تو کچھ تھا ہی نہیں۔ پس جب سب کچھ ہی اس نے عطا کیا ہے۔ وہ بلا وجہ اور بلا استحقاق کے یہ فضل فرما سکتا ہے تو اگلا فضل بھی ہم کیوں نہ اس سے مانگیں۔ ایک بیدار مغز انسان کی طبعاً اس طرف توجہ منتقل ہوتی ہے۔ انسان اپنی ذمہ داریوں سے غافل نہیں ہوتا۔ اپنی کوشش سے غافل نہیں ہوتا۔ ویسے بھی ایک دوسرا شر یہ ہے کہ جو قومیں نعرہ بازیوں میں مبتلا ہو جائیں ان کے جذبات کی قوتیں ختم ہو جاتی ہیں۔ اگر جذبات کو روکا جائے تو وہ اعمال میں ڈھل جایا کرتے ہیں۔ اسی لئے ہر نعمت کے ساتھ صبر کی تلقین ہے کہ صبر ضرور اختیار کرنا کیونکہ صبر کے نتیجہ میں اعمال کی اصلاح ہوتی ہے۔

پس یہ ٹھیک ہے کہ خوشی کے وقت یہ بھی جائز ہے اور ایسا ہوتا چلا آیا ہے کہ انسان نعرے بلند کرتا ہے لیکن نعرے بھی ایسے معنی خیز ہونے چاہئیں جو آپ کے جذبات کو خالی نہ کر دیں، انڈیل نہ دیں بلکہ لامتناہی معانی کے جہان آپ کے دلوں میں روشن کرنے والے نعرے ہوں۔

مثلاً اللہ اکبر کا نعرہ ہے۔ یہ ایک ایسا عظیم الشان نعرہ ہے کہ اگر ساری عمر قومیں اس نعرے کو بلند کرتی چلی جائیں اور فلک شگاف نعرے بلند کرتی چلی جائیں۔ تب بھی یہ اللہ اکبر کا مضمون ختم نہیں ہو سکتا۔ ہر ترقی، ہر بڑائی بتاتی ہے کہ سب سے بڑا تو خدا ہے اور اس کی نہ ختم ہونے والی بڑائی ہے۔ جس کی بڑائی نہ ختم ہونے والی ہو اس کے لئے نہ ختم ہونے والے نعرے لگتے چلے جائیں گے۔ اور ان نعروں کا کوئی انجام نہیں ہے۔ ایسے نعروں کا کوئی اختتام نہیں ہے۔ اسی طرح جب خدا ہمیں کوئی فتح عطا فرماتا ہے تو فتح کی کنہ کو سمجھنا چاہئے۔ یہ سمجھنا چاہئے کہ یہ فتح کس کے طفیل نصیب ہوئی، کیوں نصیب ہوئی۔ میں نے جہاں تک قرآن کریم کا مطالعہ کیا ہے۔ وہاں کسی جغرافیائی فتح کا کہیں ذکر نہیں ملتا۔ اول سے آخر تک آپ قرآن کریم کا مطالعہ کریں، بار بار کریں، جس طرح چاہیں سمجھیں، جن ڈکشنریوں سے چاہیں فائدہ اٹھالیں، کسی علاقائی فتح کا قرآن کریم میں مومن کے لئے ذکر نہیں۔ روحانی فتوحات کا ذکر ہے۔ دینی فتوحات کا ذکر ہے آنحضرت ﷺ کو رحمۃ للعالمین تو قرار دیا گیا۔ فاتح عالم قرار نہیں دیا۔ ہاں یہ فرمایا لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ (التوبہ: ۳۳) کہ وہ اس لئے مبعوث

فرمایا گیا ہے تا کہ تمام ادیان باطلہ پر فتح مند ہو۔ اس لئے ہماری فتح نہ سپین کی فتح ہے نہ ہندوستان کی فتح ہے، نہ یورپ کی فتح ہے نہ امریکہ کی فتح ہے نہ جاپان کی نہ چین کی، کسی ایشیائی ملک کی فتح ہماری فتح نہیں۔ دنیا کے کسی جزیرہ کی فتح ہماری فتح نہیں۔ ہماری فتح تو وہی فتح ہے جو ہمارے آقاؐ کی فتح ہے اور وہ فتح لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ کی فتح ہے۔ آپؐ کو اس لئے مبعوث فرمایا گیا ہے کہ اسلام کو تمام ادیان پر غالب کر دیں۔ اتنے عظیم الشان آقا سے واسطہ پڑ جائے، اس کی غلامی کا انسان دم بھرنے لگے اور فتح سپین پر راضی ہو جائے۔ یہ تو آپ کی شان نہیں اور وہ فتح ہو بھی ایسی جو ابھی آئی نہ ہو، ابھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے آغاز کے آثار ظاہر کئے گئے ہوں۔ اس لئے دوست اپنے اندر توازن پیدا کریں باشعور بنیں، بالغ النظر بنیں۔ ان دعاؤں سے سبق سیکھیں جو آپ کو ذہنی اور فکری توازن سکھاتی ہیں۔ غور کر کے دعائیں کیا کریں اور توازن کو حاصل کریں۔ اس توازن کے لئے دعا مانگا کریں۔ پھر اللہ تعالیٰ آپ سے بہت بڑے بڑے کام لے گا۔ پھر آپ کی فتوحات کے دروازے لامتناہی ہیں۔ اس وقت تک آپ کی فتوحات کا سلسلہ ختم نہیں ہوگا جب تک لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ کی پیشگوئی پوری نہیں ہو جاتی۔

پس آنحضرت ﷺ فاتح ادیان عالم ہیں۔ ہمارا یہ نعرہ ہونا چاہئے۔ اے اللہ! اس فاتح ادیان عالم پر سلام بھیج اور درود بھیج۔ جس کی رحمتوں اور برکتوں سے ہم قدم آگے بڑھا رہے ہیں۔ اسی کے طفیل ہمیں وہ نعمتیں عطا ہو رہی ہیں جن نعمتوں پر آج ہم خوب راضی ہیں لیکن ان معنوں میں راضی نہیں کہ ہمیں یہ کافی ہو گئیں۔ تیرا وہ محبوب جس کے ساتھ ہم وابستہ ہو گئے، وہ ساری نعمتیں جو اس کی ذات کے ساتھ وابستہ ہیں، جب تک وہ حاصل نہیں کریں گے ہم راضی نہیں ہوں گے۔ اس لئے رضا کے دو معنے ہیں۔ ایک پہلو سے ہم ہر حال میں راضی ہیں۔ تیری طرف سے ابتلا آئے تب بھی راضی ہیں، تیری طرف سے نعمت نازل ہو چھوٹی ہو یا بڑی ہو ہم راضی ہیں۔ لیکن ایک رضا ایسی ہے جس کے بعد آگے اور خواہش پیدا نہیں ہوتی۔ وہ رضا موت کی نشانی ہے وہ رضا زندگی کی علامت نہیں ہے۔ اس لئے رضا کے دوسرے معنوں میں ایک نہ ختم ہونے والی پیاس ہے جو ہمیں اپنے رب کے حضور پیش کرتے چلے جانا چاہئے اور آنحضرت ﷺ پر ہر فتح کے وقت درود بھیجنے چاہئیں کہ انشاء اللہ تعالیٰ جتنے بھی ادیان باطلہ یا ان کے اجزا ہمارے ہاتھوں پر فتح ہو گئے ان سارے قلعوں کی

فتوحات حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے سر کا سہرا ہیں۔

ہم تو ادنیٰ غلام ہیں خاک پا ہیں اس آقا کے جس کے صدقے اور جس کے طفیل یہ چھوٹی چھوٹی فتوحات نصیب ہوتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان فتوحات کے دروازے وسیع تر کرتا چلا جائے نئے میدان ہمیں نظر آئیں قربانیوں کے، اللہ تعالیٰ کے حضور عجز کے ساتھ قربانیاں پیش کرنے کے میدان۔ ہم قربانیاں پیش کریں اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی برکت سے وہ قربانیاں قبول ہوں اور نئی نئی فتوحات کے دروازے ہم پر کھلتے چلے جائیں۔ خدا کرے کہ ایسا ہی ہو۔

آج کل چونکہ خدام الاحمدیہ کا اجتماع ہے اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے جو رپورٹیں مل رہی ہیں بہت ہی خوشکن ہیں۔ حاضری کی تعداد بھی سائیکل پر آنے والوں کی تعداد بھی۔ اور انہوں نے نئے نئے ریکارڈ قائم کئے ہیں۔ چھوٹے چھوٹے ریکارڈ ہیں لیکن ان معنوں میں رضا کے متقاضی ہیں کہ ہر چھوٹی سی برکت پر بھی ہمیں راضی ہونا چاہئے۔ ہم بہت راضی ہیں لیکن اس دعا کے ساتھ کہ اللہ تعالیٰ ان چھوٹے چھوٹے فضلوں کو بڑھاتا چلا جائے۔ لامتناہی کر دے۔ ہم ہمیشہ ترقی کی اگلی منزل پر قدم رکھتے چلے جائیں اور کسی ایک جگہ بھی ہمارے لئے قرار کا مقام نہ آئے۔ اس اجتماع کے وقت عموماً یہی دستور چلا آ رہا ہے کہ دینی مصروفیات کی وجہ سے نمازیں جمع کی جاتی ہیں۔ اس لئے آج جمعہ کی نماز کے ساتھ عصر کی نماز جمع ہوگی۔ اجتماع میں جو شامل ہوں گے وہ ظہر اور عصر، مغرب اور عشاء کی نمازیں جمع کیا کریں گے لیکن مسجد مبارک میں یہ نمازیں اپنے وقت پر ہوا کریں گی وہاں نمازیں جمع کرنے کا کوئی جواز نہیں ہے۔ اس لئے نماز جمعہ کے بعد انشاء اللہ تعالیٰ ہم یہیں نماز عصر جمع کریں گے۔ ساڑھے تین بجے انشاء اللہ خدام الاحمدیہ کے اجتماع کا افتتاح ہوگا۔ انتظام کی دقتوں کی وجہ سے چند منٹ آگے پیچھے ہو جائیں تو الگ بات ہے ورنہ عموماً ساڑھے تین یا پونے چار بجے تک انشاء اللہ افتتاح ہو جائے گا تو جو دوست اس میں شامل ہو سکتے ہوں وہ اس میں شامل ہوں۔

(روزنامہ الفضل ربوہ ۳/نومبر ۱۹۸۲ء)